سرگوشیاں

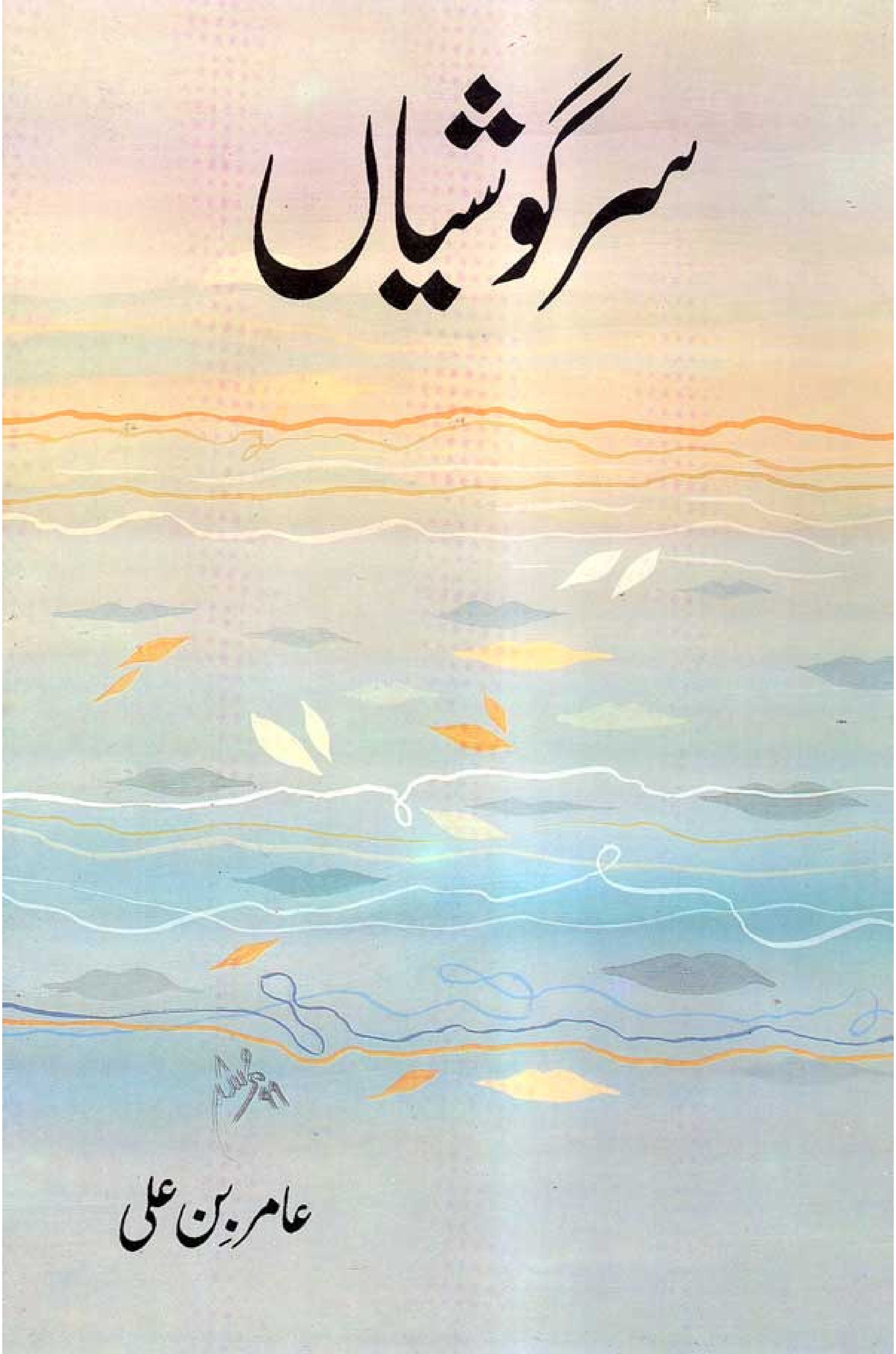

عامر بن علی

امبر سے توڑ لانے کی خواہش تھی کب ہمیں
ہم کو تمہاری مانگ کے تارے نہیں ملے

سرگوشیاں

عامر بن علی

خوبصورت، دلکش اور
دیدہ زیب کتابوں کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام:

ابرار ندیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

اشاعت اول	:	جون ۱۹۹۹ء
اشاعت دوم	:	ستمبر ۲۰۰۰ء
اشاعت سوم	:	جنوری ۲۰۰۳ء
اشاعت چہارم		دسمبر ۲۰۰۵
ٹائیٹل	:	تنویر مرشد
کمپوزنگ	:	مسلم پروسیس 4/C دربار مارکیٹ سابقہ (میلہ رام مل) لاہور
پرنٹرز	:	زاہد بشیر پرنٹرز ریٹیگن روڈ، لاہور
قیمت	:	-/80 روپے

Price Y 1200
US $ 10

انتساب

فیض احمد فیضؔ
کے نام

یہ انقلاب کیسے آیا

بہت حیران ہوتا ہوں
کسی سے جب یہ سنتا ہوں
کہ تو راتوں کو تنہا دیر تک تاروں کی چھاؤں میں
اب اکثر اپنے گھر کی چھت پہ بیٹھا خواب بنتا ہے
میں اکثر سوچتا ہوں تو ملے تو تجھ سے یہ پوچھوں
اندھیروں سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی ہمدم
تمہیں تو شام کی پرچھائیوں سے خوف آتا تھا

فہرست

کچھ ''سرگوشیاں'' کے بارے میں　احمد عقیل روبیؔ　۱۱
خواب اور یادیں　عامر بن علی　۱۹

نظمیں

۱　یادیں　۲۳
۲　بہار آئی　۲۵
۳　شبِ انتظار　۲۶
۴　مکالمہ　۲۷
۵　نہیں بھولتا وہ　۲۹
۶　ذرا سوچو　۳۰
۷　اگر تم لوٹ آؤ　۳۱
۸　فراق　۳۳
۹　فاصلے　۳۴
۱۰　میری نگاہیں بھی منتظر ہیں　۳۵
۱۱　اتنا بھی نہ کہہ پایا　۳۶
۱۲　میری منزل　۳۷
۱۳　ابھی نہیں　۳۹

سرگوشیاں

۱۴	رونقِ شب	۴۰
۱۵	تو پشیمان نہ ہو	۴۱
۱۶	ٹریجڈی	۴۳
۱۷	میں سمجھا	۴۴
۱۸	برف کا شہر	۴۵
۱۹	ایک شعر	۴۷
۲۰	ایک شعر	۴۸
۲۱	تم بتاؤ	۴۹
۲۲	یہ کیا ہوا	۵۰
۲۳	سانحہ	۵۱
۲۴	میرے ہمدم	۵۲
۲۵	سرگوشیاں	۵۳
۲۶	تلخ حقیقت	۵۵
۲۷	تم کون ہو	۵۶
۲۸	کورے کاغذ	۵۷
۲۹	انوکھا بندھن	۵۸
۳۰	ایک شعر	۵۹
۳۱	ایک شعر	۶۰
۳۲	ساون	۶۱
۳۳	وہ شام	۶۲
۳۴	آرزو	۶۳
۳۵	تشنگی	۶۴

۳۶	حقیقت	۶۵
۳۷	خوفِ تنہائی	۶۷
۳۸	تم بھی وعدہ کرو	۶۸
۳۹	جرم وسزا	۶۹
۴۰	کچی بولی	۷۰
۴۱	روٹی	۷۱
۴۲	کچھ تو خواب بچا کر رکھو	۷۲
۴۳	لمحے	۷۳
۴۴	ایک شعر	۷۵
۴۵	ایک شعر	۷۶
۴۶	ابھی تم خواب میں ہو	۷۷
۴۷	زادِ راہ	۷۹
۴۸	طوفان	۸۰
۴۹	یہ انقلاب کیسے آیا؟	۸۱
۵۰	اُجالا	۸۲
۵۱	شکست	۸۳
۵۲	ابھی موسم نہیں بدلا	۸۴

غزلیں

۵۳	شب فراق میں پُر درد خواب دیکھا ہے	۸۷
۵۴	محبتوں کے حسیں سفر میں اذیتوں کا یہ باب کیسا	۸۹
۵۵	الجھنوں سے نجات کیسے ہو؟	۹۱

۵۶ روشن چہرے، روپ خزانے دیکھے تھے ۹۳
۵۷ ٹوٹے سپنوں کو تم کیسے جوڑو گے ۹۵
۵۸ مرادرد میرا سوال ہے ۹۷
۵۹ جن کی تھی آرزو وہی پیارے نہیں ملے ۹۹
۶۰ قطعہ ۱۰۱
۶۱ تن پر آفت پڑی ہے ساجن ۱۰۳
۶۲ جو آگ دل میں لگی ہے اسے بجھا دوں گا ۱۰۵
۶۳ وہ تیرا دیوانہ شاعر ۱۰۷
۶۴ بن کے بادل تو آ میں پیاسا ہوں ۱۰۹
۶۵ یہ کیا ہے محبت، یہ کیا ہے جوانی ۱۱۱
۶۶ ہو گیا جب سے وہ یار میرا جدا جی بہلتا نہیں ۱۱۳
۶۷ قطعہ ۱۱۵
۶۸ عشق اپنا اصول ہے پیارے ۱۱۷
۶۹ مدّت ہوئی تجھ سے کوئی گفتگو نہیں ۱۱۹
۷۰ اے خوابوں کی ملکہ، خیالوں کی رانی ۱۲۱
۷۱ مجھے بتا تو سہی تو کہ سوگوار ہے تو ۱۲۳
۷۲ سب کے جذبے سو گئے اس بے حسی کے دور میں ۱۲۵
۷۳ جب سے دیوانے ترے نام سے منسوب ہوئے ۱۲۷

کچھ ''سرگوشیاں'' کے بارے میں

اظہارِ محبت کے کئی طریقے ہیں ۔لکھ کر' اونچی آواز میں چلاّ کر' اور سرگوشی میں---اتنی دھیمی آواز میں کہ جس سے محبت ہو' وہی سُن پائے' دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہو- بزرگوں اور سیانوں نے اسے ہی اظہارِ محبت کا مہذب طریقہ قرار دیا ہے۔

عامر بن علی سے اگر آپ ملے ہوں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ تہذیبی اور مہذب ماحول میں اگا ہوا ایک سروقَد پودا ہے' جو بظاہر عہدِ جدید کا ملبوس زیبِ تن کر کے گومتا ہے مگر اندر سے خالصتاً روایتی اور قدیم ہے- اس لیے اس نے اپنی رودادِ محبت کا عنوان سرگوشیاں رکھا ہے- ان سرگوشیوں میں کبھی کبھی اس کی آواز بلند بھی ہوتی ہے- وہ شاید اس لیے کہ طویل گفتگو میں اگر زیر و بم نہ آئے تو بات کی یکسانیت سماعت پر گراں گزرنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے- ''سرگوشیاں'' میں بھی کچھ نظمیں اور غزلیں ایسی ہیں- عامر بن علی کی آواز سرگوشیوں کی حد عبور کر کے باہر نکل

کر گونجتی ہے مگر اس کا یہ انداز کانوں کو برا محسوس نہیں ہوتا-

''سرگوشیاں'' عامر کی کچھ غزلوں اور کچھ نظموں کا مجموعہ ہے----- سیدھی سادی، سلیس اور آسان زبان میں کی گئی یہ شاعری ایک ایسے نوجوان کے مشاہدات اور تازہ تجربات ہیں جو اسے چھوٹی عمر میں حاصل ہوئے ہیں- ان تجربات اور مشاہدات میں درد وغم کی ٹیس اتنی شدید نہیں کہ پڑھنے والا بلبلا اٹھے- آنسوؤں اور آہوں کا طوفان نہیں-- بلکہ سر اٹھاتی جوانی اور لڑکپن کی آوارہ گردی کی دل چسپیاں اور نادانیاں ہیں- ایسی نادانیاں اور دل چسپیاں سے ہر لکھنے والا ایک نہ ایک زمانے میں سامنا کرتا ہے-- ہر نوجوان پہلی محبت کی چھاؤں میں ضرور رکتا ہے-- محبت کی وفا اور بے وفائی سے دوچار ہوتا ہے-- یہ عمر کا وہ حصہ ہے، جب نوجوان پیتل کو سونا سمجھ کر چومتے ہیں- پہلی محبت کو زندگی کی آخری محبت سمجھتے ہیں- بقول افلاطون پہلی نظر میں سب کچھ ہار جاتے ہیں اور پھر محبوب کی ہلکی سی بے وفائی کو اجل کی دھمکی تصور کرتے ہیں، اور محبوب کے ہرجائی پن اور ستم شعار رویہ کا گلہ شکوہ کرتے ہیں--- ہر شاعر--- ہر محبت کرنے والا ان تجربات اور مشاہدات کو اپنی شاعری کا حصہ بناتا ہے -- عامر بن علی نے اپنی غزلوں میں اسی عہد کا روزنامچہ لکھا ہے، دن رات کی آوارہ گردی، محبت کی مٹھاس، محبت کے لہجے کی تلخی اور اپنی ذات کی بے بسی کو اپنی شاعری میں سمو دیا ہے جو سرگوشیاں بن کر ہمارے کانوں میں سرسرا رہی ہیں-

جب سے دیوانے ترے نام سے منسوب ہوئے
یوں سمجھ لو کہ بھرے شہر میں معتوب ہوئے

☆☆☆

اے خوابوں کی ملکہ، خیالوں کی رانی
ہے تجھ بن ادھوری، مری زندگانی

☆☆☆

نہیں اگر کوئی بچھڑا تو پھر بتا عامرؔ
غُبارِ ہجر ترے رخ پہ آشکار ہے کیوں

☆☆☆

مدت ہوئی ہے تجھ سے کوئی گفتگو نہیں
ایسا نہیں کہ دل میں کوئی آرزو نہیں

☆☆☆

خیمے سب جل چکے امیدوں کے
خاک پر ہوں کھڑا، میں پیاسا ہوں

☆☆☆

کیا بتائیں تباہیوں کا سبب
ہم کو سب کچھ قبول ہے پیارے

☆☆☆

جانے تیرے جانے پر کیوں بھر آئیں
ان آنکھوں نے کئی زمانے دیکھے ہیں

☆☆☆

مرا درد میرا سوال ہے
ترا بھولنا بھی کمال ہے

☆☆☆

تنہا پنچھی کا نشیمن لٹ نہ جائے اے خدا
ٹہنی نازک ہے شجر کی، بارشیں ہیں زور میں

☆☆☆

کہ وہ جو حرفوں کی وسعتوں سے کہیں پرے ہیں بہت بڑے ہیں
جو زخم دل پر لگے ہیں ان پر سوال کیا ہو، جواب کیسا
سنبھل نہ پاؤں، سمجھ نہ پاؤں کہ شاید اب کے میں مر ہی جاؤں
جدائیوں کے کٹھن سفر کا میں کیا کہوں ہے نصاب کیسا

☆☆☆

ان غزلوں کا لب و لہجہ نئی عمر کے پیڑ سے اتری پہلی فصل کی طرح مزیدار ہے۔ میٹھا، ترش اور چٹ پٹا۔ انہیں پڑھ کر ابھرتی نسل کے ان محبت بھرے جذبات سے آشنائی ہوتی ہے جو ہماری دنیا کے اس ماحول میں بھی زندہ ہیں۔

''سرگوشیاں'' میں عامر بن علی کی کچھ نظمیں بھی شامل ہیں۔ یہ نظمیں اس کی اپنے ہمزاد سے گفتگو ہیں۔ اس کا ہمزاد کبھی اس کا محبوب بن کر اس کے

سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔۔کبھی اس کے اندر ایک طوفان برپا کر دیتا ہے۔ لیکن ان دنوں صورتوں میں تخلیق کا عمل رُکنے نہیں پاتا۔ عامر بن علی زندگی کے غبار آلود راستے پر ہمہ وقت سفر کرنے والا ایک نوجوان ہے۔ ان تھک 'باعمل اور اچھے برے موسموں میں سر اٹھا کر چلنے والا نوجوان۔۔اس نے اس سفر میں آنے والے ہر چھوٹے بڑے مشاہدے اور تجربے کو اپنی شاعری میں سمونے کی کوشش کی ہے اور وہ کامیاب رہا ہے۔۔ابھی وہ نوجوان ہے' زندگی کی دوزیدہ ابھی اس سے مسکرا کر بات کرتی ہے۔ جب ماتھے پر تیوری ڈال ملے گی تو ان تجربات اور مشاہدات میں مزید پختگی اور توانائی آجائے گی۔۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے 'وہ سرسری اور غیر اہم ہے۔۔اس کی نظمیں پڑھیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ زندگی کے سفر میں جتنا اور جیسا مواد اسے ملا ہے' اس نے تخلیقی ترازو میں پورا پورا تولا ہے۔ کہیں ڈنڈی نہیں ماری میں اسے کے لئے دعا گو ہوں۔ اللہ اس کی تخلیقی صلاحیتوں میں مزید توانائی پیدا کرے۔ آمین!

میں اس کی چند نظمیں مثال کے طور پر پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں:

بہت حیران ہوتا ہوں
کسی سے جب یہ سنتا ہوں
کہ تو راتوں کو تنہا دیر تک تاروں کی چھاؤں میں
اب اکثر اپنے گھر کی چھت پہ بیٹھا خواب بنتا ہے
میں اکثر سوچتا ہوں تو ملے تو تجھ سے یہ پوچھوں
اندھیروں سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی ہمدم
تمہیں تو شام کی پرچھائیوں سے خوف آتا تھا

(یہ انقلاب کیسے آیا)

میں چپ ہو گرچہ
مگر مری جاں
گئی رتوں کا
کوئی جو تم سے حساب پوچھے
تو کیا کہوں گی---؟

(ذرا سوچو)

میں بہت ہی بزدل تھا
اور کم سخن سا بھی
تو بہت بہادر تھی
اور جانِ محفل بھی
صد ہزار لوگوں کے
تنہا دل کی دھڑکن بھی
میں بہت ہی بزدل تھا
اتنا بھی نہ کہہ پایا
تجھ پہ میری جاں واری
تو بہت ہی ہے پیاری

(اتنا بھی نہ کہہ پایا)

میں چپ ہوں لیکن
خزاں کے پتوں کی سرسراہٹ
مری سماعت پہ دے کے دستک
پتہ تمہارا جو پوچھتی ہے----
تو کیا بتاؤں--؟ (تم بتاؤ)

عامر بن علی کی ''سرگوشیاں'' سے یہ چند سرگوشیاں جو میں نے پیش کیں 'ان سے اندازہ لگانا قطعاً دشوار نہیں کہ اس نوجوان شاعر نے براہ راست اپنے اندازہ لگانا قطعاً دشوار نہیں کہ اس نوجوان شاعر نے براہ راست اپنے اندر کے احساس کو کتنے خوبصورت پیرائے میں لفظوں کی زبان دی ہے 'اور کتنے سادہ وسہل مگر دلکش اور واضح طرز اظہار میں اپنی سرگوشیوں کو مکالماتی جرأت بخشی ہے ---- کتاب پڑھیے اور عامر بن علی کی ''سرگوشیاں'' سنیئے:

احمد عقیل روبی

۱۹ جون ۱۹۹۹ء

خواب اور یادیں

خواب اور یادیں زندگی کا ایک ضروری حصہ ہیں- کچھ لوگ تو سوتے ہی خواب دیکھنے کے لیے ہیں لیکن جاگتی آنکھوں سے دیکھے ہوئے خواب سوتے میں دیکھے ہوئے خوابوں سے کہیں زیادہ حسین ہوتے ہیں' اسی لیے ان کے ٹوٹنے کا دکھ بھی زیادہ ہوتا ہے- حقیقت جتنی بھی خوبصورت ہو' خواب سے زیادہ حسین نہیں ہوسکتی- خواب خوبصورت ہوتے ہیں اور نازک بھی' اتنے نازک کہ ہلکی سی ٹھیس بھی نہیں سہہ پاتے اور ٹوٹ جاتے ہیں- جب خواب ٹوٹتے ہیں تو انسان بکھر جاتا ہے- ایسا بکھرتا ہے کہ پھر کبھی نہیں سمٹتا- خود کو سمیٹنے کی ہر کوشش اسے مزید بکھیر دیتی ہے۔

مجھے تو ہی بتا' یہ زخم لے کر اب کدھر جاؤں
سمیٹوں جس قدر خود کو' میں اتنا ہی بکھر جاؤں

بکھرے ہوئے لوگوں پر یادیں چھپ چھپ کر وار کرتی ہیں- کبھی بارش کی بوندوں سے' کبھی پت جھڑ کے پتوں سے' کبھی تاروں کے جھرمٹ سے تو کبھی شام کی سرخی سے' کبھی پربت سے' جھرنے سے' کبھی جنگل سے' صحرا سے- لیکن شبِ تنہائی میں انہیں کسی اوٹ کی ضرورت نہیں ہوتی- تیرگی چیخ چیخ کر کہتی ہے: ''یاد نہ آئے کوئی'' وقت پگھلتا رہتا ہے اور خواب بھی وقت کے ساتھ پگھل کر یادیں بن جاتے ہیں اور پھر پرانی یادوں سے نئے خواب جنم لیتے ہیں- پرانی آنکھوں سے نئے خواب دیکھنا بڑا مشکل ہے- مگر پھر بھی

وہ آنکھیں ہی کیا جو خواب نہ دیکھیں۔

خواب اور یادیں میرے لیے زندگی کا کوئی حصہ نہیں بلکہ خود زندگی ہیں ۔حقیقت کی دنیا میں رہتے ہوئے خوابوں اور یادوں کی ''سرگوشیاں'' جو میں نے سنیں، پیش کررہا ہوں۔

عامر بن علی
''ارژنگ'' ۵ اے کپورتھلہ ہاؤس لیک روڈ
پرانی انارکلی، لاہور

نظمیں

یادیں

بہت ہی مُدّت کے بعد کل جب
کتابِ ماضی کو میں نے کھولا
بہت سے چہرے نظر میں اترے
بہت سے ناموں پہ دل پسیجا
اِک ایسا صفحہ بھی اس میں آیا
لکھا ہوا تھا جو آنسوؤں سے
کہ جس کا عنوان ''ہم سفر'' تھا
جو صفحہ سب سے ہی معتبر تھا

کچھ اور آنسو پھر اسے پہ ٹپکے
پھر اس سے آگے میں پڑھ نہ پایا
کتابِ ماضی کو بند کر کے
تمہاری یادوں میں کھو گیا میں
اگر تو ملتا تو کیسا ہوتا
انہی خیالوں میں سو گیا میں

بہار آئی

پرُانے زخم کھلے

اور بہت سے تازہ ملے

جُدا ہوا اسی رُت میں

جو دل کے پاس آیا

مجھے بہار کا موسم

کبھی نہ راس آیا ----؟

شبِ انتظار

سردیوں کی راتوں میں
جب سمے بھی جم جائے
اور دل کی باتوں میں
آرزو ٹھہر جائے
اجنبی مسافر کے
انتظار کی شمعیں
سرد سرد جھونکوں سے
پھڑ پھڑانے لگ جائیں
اپنے سرد شانوں پر
رکھ کے سر کو مت رونا
تم اداس مت ہونا

مکالمہ

رات کا غالباً آخری تھا پہر
مجھ سے تنہا ستارہ یوں گویا ہوا
ہمنشیں الوداع!
اے مرے ہمنشیں
مجھ کو نیند آ گئی
تم بھی سو جاؤ جا کر کہیں
کل ملیں گے یہیں
یہ سن کر میں ہلکا سا مُسکا دیا
اس کو بتلا دیا
جانے والے یہاں لوٹتے ہی نہیں

تم نہ آؤ گے کل
مجھ کو ہے یہ یقیں
میری یہ بات سن کر وہ رُک سا گیا
اور کہنے لگا---!
تم سے وعدہ کروں
پھر نہ پورا کروں
ایسا ممکن نہیں
سن مرے ہمنشیں!
میں تو انساں نہیں

نہیں بھولتا وہ----!

جانے کیوں

بھولتا نہیں مجھ کو

وقتِ رُخصت

مجھے جو دیکھتا تھا

جس کے ہونٹوں پہ

مسکراہٹ تھی

اشک تھے بے حساب

آنکھوں میں

ذرا سوچو

میں چُپ ہوں گرچہ
مگر مری جاں!
گئی رُتوں کا
کوئی جو تم سے حساب پوچھے
تو کیا کہو گی ------؟

اگر تم لوٹ آؤ

بہاریں لوٹ آئیں گی
ہوائیں گنگنائیں گی
خوشی سے مست ہو ہو کر
گھٹائیں لڑکھڑائیں گی
نشے میں چاندنی ہوگی
فلک پر روشنی ہوگی
کچھ ایسی راتیں آئیں گی
کہ جھیلیں مسکرائیں گی
نظر میں پھول مہکیں گے
رنگیلے پنچھی آئیں گے

اداسی لوٹ جائے گی
کچھ ایسے گیت گائیں گے
ستم کا دو ہو گا ختم، چاہت کا جنم ہو گا
نگاہوں میں خوشی ہو گی
نہ نم ہو گا، نہ غم ہو گا
نہ اب مجھ کو رُلائیں گی
خزائیں لوٹ جائیں گی
اگر تم لوٹ آؤ تو
بہاریں لوٹ آئیں گی

فراق

دھڑکنوں میں ہلچل ہے
آنسوؤں کی جَل تھَل ہے
شُعلہ بار سانسیں ہیں
بے قراری پَل پَل ہے
ذہن یوں لگے جیسے
اک غموں کی دَلدَل ہے

فاصلے

جوزمیں کے ٹکڑوں کی
دوریوں سے اے جاناں!
وقت پیدا کرتا ہے
ایسے فاصلے اکثر
کٹ ہی جایا کرتے ہیں
فاصلے بڑھے تھے جو
قربتوں کے موسم میں
دو دلوں کے بندھن میں
ایسے فاصلے جاناں!
مر کے بھی نہیں کٹتے

مری نگاہیں بھی منتظر ہیں

مری نگاہیں بھی منتظر ہیں
اُسی سحر کی
کہ جس کی کرنیں پیام دیں گی
لواب سے دنیا میں امن ہوگا
کچھ ایسی خوشیوں کا منتظر ہوں
جو گولہ بارود دفن کر کے
محبتوں کو دوام دیں

اتنا بھی نہ کہہ پایا

میں بہت ہی بزدل تھا
اور کَم سُخن سا بھی
تو بہت بہادر تھی
اور جانِ محفل بھی
صد ہزار لوگوں کے
تنہا دل کی دھڑکن بھی
میں بہت ہی بزدل تھا
اتنا بھی نہ کہہ پایا
تجھ پہ میری جاں واری
تو بہت ہی ہے پیاری

میری منزل

ابھی تلک میں وہی کھڑا ہوں
جہاں پہ تو نے کہا تھا مجھ سے
کہ اب سے جاناں
ہماری راہیں جُدا جُدا ہیں
نہیں ہے مجھ کو ملال کچھ بھی
جو تیری بانہوں سے میری بانہیں
جُدا جُدا ہیں
ابھی تلک میں وہیں کھڑا ہوں
جہاں سے تُو نے
پھر آخری بار مڑ کے دیکھا

اگرچہ اب بھی
چہار سو ہیں ہزار رستے
مگر اے جاناں مرے لیے تو
ہیں سب کے سب راستے یہ بے سود
کیونکہ مجھ کو کہیں بھی جاناں !
نہیں ہے جانا ----!
تمہاری فرُقت میں طے کیے جو
بس ایسے رَستوں کے نقشِ پا
میری منزلوں کے نشان ٹھہرے
کہ میں ابھی تک وہیں کھڑا ہوں
مرے لیے تو یہی ہے منزل ---!

ابھی نہیں---!

ابھی تو یاد کے جھونکے
یہاں نہیں پہنچے
پرُانے زخموں سے اب تک
لہو نہیں ٹپکا
ابھی تو درد کی شدت سے
آہ نکلے گی
ابھی کچھ اور بھی رونا ہے
مجھ کو رونا ہے
ابھی کہاں مجھے سونا ہے
جاگنا ہے ابھی
نہیں ابھی نہیں---!

رونقِ شب

آسماں پر ستارے گھنے تھے بہت
چاند کا حسن بھی کم نہ تھا
مجھ سے کرتا تھا باتیں اکیلے میں جو
وہ مرادلنشیں اور پیارا ستارہ کہاں سو گیا
جانے کیوں یہ لگے!
اُس کے دم سے تھیں راتوں کی سب رونقیں
رونقِ شب وہی تھی
مگر وہ گئی تو نظارا کہاں کھو گیا؟
چاند کا حسن سارا کہاں کھو گیا؟

تو پشیمان نہ ہو

پاگل لڑکی
مجھ کو چھوڑ کے جانے پر
شرمندہ کیوں ہو؟
تم سمجھی ہو
اور کسی کی ہونے پر
میں تم سے کوئی شکوہ کروں گا
اور کہوں گا
تیری ساری باتیں
تیرے سارے وعدے
تیری آنکھوں ہی کی طرح جھوٹے تھے

یوں نہ سوچو میری جان!
تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں
نئی ڈگر پر چلنا تجھ کو راس آجائے
میرا کیا ہے----!
میری پرانی عادت ہے
تنہا چلنے کی

ٹریجڈی (Tragedy)

اب کے سرما کی
سرد راتیں
کچھ ایسی آئیں
کہ دھڑکنیں سرد ہو گئی ہیں

میں سمجھا

ہر موسم میں شہر کو تیرے
خوشی کا ایک جزیرہ سمجھا
تیرے بن ساون کو سُوکھا
چاندنی رات کو تیرہ سمجھا
شاید نظروں کا دھوکہ تھا
میں شیشے کو ہیرا سمجھا

برف کا شہر

یہ شہر تو ہے برف کا
باسی ہیں اس کے موم کے
صدیاں ہوئیں اس کو بسے
لیکن یہ جس دن سے بنا
تاریکیوں میں غرق ہے
خاموشیوں کا راج ہے
اس شہر کے ہر اک طرف
اس شہر کے اے باسیو
اِک بات تو میری سنو
تم تو بنے ہو موم سے

گھیرے میں تم ہو برف کے
سوچو جو تم سے ہو سکے
تاریکیوں کو چیرتا
سورج کہیں سے آ گیا
تو کیا بنے گا شہر کا---؟

تنہا پنچھی کا نشیمن لٹ نہ جائے اے خدا
ٹہنی نازک ہے شجر کی بارشیں ہیں زور میں

حسن اور حکومت سے کون جیت سکتا ہے
یہ بتاؤ دونوں کی عمر کتنی ہوتی ہے

تم بتاؤ

میں چپ ہوں لیکن
خزاں کے پتوں کی سَرسَراہٹ
مری سماعت پہ دے کے دَستک
پتہ تمہارا جو پوچھتی ہے
تو کیا بتاؤں---؟

یہ کیا ہوا---؟

مرے چارہ گر تو بتا ذرا
مِرے دوستوں کو یہ کیا ہوا
کہ ہیں سب کے چہرے بجھے بجھے
غمِ زندگی سے اٹے ہوئے
انہیں دیکھنے کو نظر اٹھے
تو یہ سب کے چہرے یہی کہیں
پڑا ایسے وقت سے واسطہ
کٹا ہر خوشی سے ہے رابطہ
جنہیں موت لگتی تھی دِلربا
انہیں زندگی نے رُلا دیا

سانحہ

زندگی کو دور سے دیکھا کرو
حُسن اپنا دور سے دکھلائے گی
اور اگر نزدیک سے دیکھے گا تو
زندگی اک سانحہ بن جائے گی

میرے ہمدم

میں تنہا ہوں میرے ہمدم
ہیں آنکھیں ہجر میں پُرنم
لگے ہیں درد کے میلے
جگر میں سوز ہے پیہم
جو غم تم بَانٹ لو میرا
تو مِٹ جائیں گے سارے غم

سرگوشیاں

میں رات کے پچھلے پہر
کمرے کو تنہا چھوڑ کر
یادوں کی چادر اوڑھ کر
انگلی پکڑ کے چاند کی
جاتا ہوں جب تیری گلی
کوچے کی اس پل خامشی
اور تیرے گھر کی روشنی
کرتے ہوئے سرگوشیاں
کہتی ہیں میرے کان میں
کچھ اس طرح
سچ سچ بتا
پوچھیں جو تجھ سے ماجرا

اتنا بڑا یہ شہر ہے
لیکن ترا شوقِ نظر
ہر بار کیوں جائے ٹھہر
جب بھی ہوا یاں سے گزر
ہر بار ان کا یہ سوال
مسکا کے میں دیتا ہوں ٹال
تیرے درو دیوار ہیں نا آشنا
غم سے پیا!
کیسے میں ان کو دوں بتا
یاں پر لٹا
چاہت کا اپنا قافلہ

تلخ حقیقت

فاصلے
کتنے عیبوں کو ہیں چھپا دیتے
قربتیں
کتنے عیبوں کو جنم دیتی ہیں

تم کون ہو

کروں میں کیسے بیان کیا ہے
حیات میری سے رَبط تم کو
خوشی کے سارے ہیں باب تم سے
اداس لمحوں کی سوچ تم ہو

کورے کاغذ

نہیں گلہ جو نہیں ملا ہے

جواب کچھ بھی

تری طرف سے مرے خطوں کا

مرِے خطوں کا

جواب تم میری جان دیتی

تو دیتی کیسے

کہ کورے کاغذ تھے میرے خط وہ

مگر ابھی تم تو

سادہ حرفوں کی وسعتوں سے

نہیں ہو واقف

کہ کورے کاغذ میں چھپے تھے

وہ سارے خط اور سارے سادہ حروف

کیسے جواب پاتے

انوکھا بندھن

میری جَلتی بُجھتی آنکھیں
ٹوٹے سَپنے چُنتے چُنتے
لہو میں ڈوب گئی ہیں پھر بھی
بَرف میں لِپٹے تیرے مَن کو
ٹھیس لگے تو
جانے کیوں ہیں رو دیتی

زندگی کے دشت میں ہے کرب کا اپنا مزہ
درد کا اپنا مزہ ہے ضبط کا اپنا مزہ

مجھے تو ہی بتا ' یہ زخم لے کر اب کدھر جاؤں
سمیٹوں جس قدر خود کو' میں اتنا ہی بکھر جاؤں

ساون

ہمیں مدت ہوئی بچھڑے
تمہیں عرصہ ہوا بھُولے
مگر بارش کے موسم میں
ہوا جب گنگناتی ہو
میں اپنے گھر کی چھت پر سے
چمکتے چاند کو چھپتے
گھٹا کی اوٹ میں دیکھوں
مجھے تم یاد آتی ہو---!

وہ شام

کیسے قتل ہوا تھا خوشیوں والے دن کا
امبر پر تو خون ہی خون نظر آتا تھا
جیسے غم میں ڈوبی سندر آنکھیں ہوں
اور بادل بھی کفن دکھائی دیتا تھا
کیسے گریہ کرتے تھے پنچھی ڈاروں میں
جیسے ان کا اپنا کوئی بچھڑا ہو
مجھ کو تنہا چھوڑ کے رستہ بدلا جس دن
شام کا منظر اس نے بھی تو دیکھا ہوگا

آرزو

لاکھ کوئی ٹھکرا دے
سارے وعدے جُھٹلا دے
توڑ کر سبھی بندھن
راہِ ہجر دِکھلا دے
پھر بھی آس چاہت کی
آرزو محبت کی
دل سے تو نہیں جاتی

تشنگی

بہت ہی یاد آتے ہیں
محبت کے حسیں وہ پل
کہ جب پہروں ہوئی باتیں
مگر پھر بھی یہ لگتا تھا
ہمیں جو بات کہنا تھی
ابھی وہ بات باقی ہے

حقیقت

نہیں نفرت نہیں تم سے
مجھے اب بھی مری جاناں!
اگرچہ تو نے اپنے سارے وعدے توڑ ڈالے ہیں
وہ باتیں پیار اور اقرار کی تم بھول بیٹھی ہو
مگر وہ تیری ہر اک بات اب تک یاد ہے مجھ کو
نہیں نفرت نہیں مجھ کو
اگر ہو بھی تو کیسے ہو
پتا ہے میں نے اک شب چاندنی کا خواب دیکھا تھا
کہیں اس چاندنی میں ہم تھے اور اِک بھیگتا ساحل
اچانک چلتے چلتے رُک کے تو کچھ کہنے والی تھی

کہ ٹوٹا بس وہیں سپنا

مگر وہ یاد ہے تب سے

نہیں نفرت نہیں تم سے

اگر ہو بھی تو ہو کیسے

سنایا تم کو جو سپنا

ابھی تک تم پیار ہے اس سے

کہ تم تو اک حقیقت ہو

نہیں نفرت نہیں تم سے

خوفِ تنہائی

مجھے تم سے
تو کوئی بھی نہیں شکوہ مِری جاناں
مگر جب شہر کے لوگوں میں
خود کو تنہا پاتا ہوں
میں خود سے ڈر سا جاتا ہوں

تم بھی وعدہ کرو

یہ وعدہ ہے مِرا تم سے
کبھی واپس نہ آؤں گا
مگر تم دھیان رکھنا
جب کبھی تم خواب میں دیکھو
کوئی ٹوٹی ہوئی کشتی
کوئی اجڑا ہوا آنگن
دیا کوئی بجھا دیکھو
یا دیکھو موت کا ماتم
تو مجھ کو یاد کر لینا

جرُم وسزا

س میں حیرت ہے کیا
جو مرے ہم نوا
ہو گئے وہ جدا
جن سے دل کی تھی راہ
زندگی جرُم ہے
اور اس جرُم کی
موت ہی ہے سزا

سچّی بولی

یہ کھیل پرُانا ہے
لفظوں سے نہ کھیلا کرو
آنکھوں کی زباں سمجھو
جذبوں کی زباں سیکھو
محسوس جو کرتے ہو
ان سے اظہار کرو
ان ہی کی زباں بولو
جس سے بھی پیار کرو

روٹی

ہم نے بچپن سے ہی سنا تھا یہی
جان سب سے عزیز ہوتی ہے
اس جہاں کے عظیم قلزم میں
زندگی اِک حسین موتی ہے
آئے دن خودکشی کی خبروں سے
ہم نے محسوس یہ کیا عامرؔ
جاں سے بڑھ کر بھی چیز روٹی ہے

کچھ تو خواب بچا کر رکھو

سپنے آگے انساں پیچھے
سپنوں کے یوں پیچھے چلنا
آدھی خواہش پوری ہونا
اور آدھی کو پورا کرنا
یہی تو ہے بس جینا
آج ہی گر پالو گے سب کچھ
کل کو ہے کیا کرنا-----؟

لمحے

اب تو خواب لگتے ہیں
زندگی کے وہ لمحے
جن میں کچھ لطافت تھی
پیار کی حلاوت تھی
گو کہ ان دنوں ہم سے
شہر کو عداوت تھی
پھر بھی اے مری جاناں!
ہنس کے زخم سہہ جانا
اپنی ایک عادت تھی
قہقہے نہ دبتے تھے

خوش دِلی روایت تھی
زِندگی کے وہ لمحے
اب تو خواب لگتے ہیں،
زِندگی کے یہ لمحے
اِک عذاب لگتے ہیں

بڑھ کے تو روک بھی سکتا ہے جو ملنا چاہے
ادھ کھلی آنکھ سے جاتے نہیں دیکھا کرتے

اشک آتے ہیں جب بھی آتے ہیں
نیند آنکھوں میں اب نہیں آتی

ابھی تم خواب میں ہو

نہ جانے کیوں یہ
مجھے یقیں ہے
کھلی جو خوابوں سے آنکھ تیری
تو چاہتوں کی تلاش میں تم
رہِ وفا کا سفر کرو گی
نشاں بہت سے ملیں گے تم کو
بہت ہی گہری محبتوں کے
مگر وہ تم کو نہیں ملے گا

جو قدر کرتا ہو تیری دل سے
جو راہ تکتا ہے آج تیری
اُٹھو اُٹھو اور آنکھیں کھولا
کہ وقت بدلا تو کیا کرو گی
سُنو سُنو، میری جاں، سنو---!!
ہاں!---ابھی مگر تم کہاں سنو گی!

زادِ راہ

اندھیری راہوں کے اس سفر میں
کہ جس کا عنوان زندگی ہے
بہت سے دشوار مرحلے ہیں
غموں کے تاریک سلسلے ہیں
دکھوں سے چھلنی ہر اک خوشی ہے
بہت ہی مشکل ہے میرے ہمدم
کچھ ایسے رستوں پہ تنہا چلنا
مگر جو مجھ کو چلا رہی ہے
تمھاری یادوں کی روشنی ہے

طوفان

لگتا ہے
کہ ہوا کہ لگی تھی بُری
شہر والوں نے جو بات اس سے کہی
تب ہی بادِ صبا تند خُو ہو گئی

یہ انقلاب کیسے آیا

بہت حیران ہوتا ہوں
کسی سے جب یہ سنتا ہوں
کہ تو راتوں کو تنہا دیر تک تاروں کی چھاؤں میں
اب اکثر اپنے گھر کی چھت پہ بیٹھا خواب بنتا ہے
میں اکثر سوچتا ہوں تو ملے تو تجھ سے یہ پوچھوں
اندھیروں سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی ہمدم
تمہیں تو شام کی پرچھائیوں سے خوف آتا تھا

اُجالا

میں تاریکی میں سرگرداں تھا کب سے
تری چاہت نے ایسی روشنی دی
دریچے ہو گئے روشن نظر کے
اگرچہ آج تو ہمرہ نہیں ہے
مجھے پھر بھی کوئی شکوہ نہیں ہے
جلایا جو تری قربت نے دل میں
دیا وہ آج بھی ہے ساتھ میرے

شکست

تو خواہشوں کی تو بات مت کر
یہ باتیں لگتی ہیں اجنبی سی
کہ ٹوٹی جس دن سے آس اُس کی
مری نظر کی جو روشنی تھی
وہ ہمسفر کی اداس راہوں پہ
پہلی خواہش جو میں نے کی تھی
وہ کتنی معصوم آرزو تھی
یہی حقیقت ہے میرے ہمدم
کہ پہلی خواہش ہی آخری تھی

ابھی موسم نہیں بدلا

یہ تُو نے سچ کہا ہو گا
کہ جب موسم بدلتا ہے
بدل جاتے ہیں سب انساں
گئی رُت جس میں ہم بچھڑے
اسے مدت ہوئی بیتے
مگر محسوس ہوتا ہے
مجھے اب بھی یہی جاناں
ابھی موسم نہیں بدلا---!

غزلیں

پھر کسی باوفا نے ٹھکرایا
پھر اُسی بے وفا کی یاد آئی

شبِ فراق میں پرُ درد خواب دیکھا ہے
کہ اپنے پیار کا دریا سراب دیکھا ہے

تمہاری آنکھ میں دیکھی ہے موتیوں کی لڑی
تمہارے چہرے کو بکھرا گلاب دیکھا ہے

برستی آگ ہے، چاروں طرف سے آہ فغاں
تمہارے بعد جو شہر خراب دیکھا ہے

طویل غم، شبِ تنہائی، اور تاریکی
کتابِ زیست کا جو انتساب دیکھا ہے

صَبا کے دوش پہ خوشبو کا پیرہن اوڑھے
گزرتی تتلیوں پر بھی عذاب دیکھا ہے

شفق کے چہرے پہ بکھرے ہوئے ہیں ہجر کے داغ
ہر ایک رُت کا پریشاں شباب دیکھا ہے

محبتوں کے حسیں سفر میں اذیتوں کا یہ باب کیسا
یقین اپنا ہے تیری چاہت گناہ کیا ہے ثواب کیسا

کہ وہ جو حرفوں کی وسعتوں سے کہیں پرے ہیں بہت بڑے ہیں
جو زخم دل پر لگے ہیں ان پر سوال کیا ہو جواب کیسا

سنبھل نہ پاؤں، سمجھ نہ پاؤں کہ شاید اب کے میں مر ہی جاؤں
جدائیوں کے کٹھن سفر کا میں کیا کہوں ہے نصاب کیسا

دھواں دھواں ہے یہ دل کی بستی، چہار سو ہیں لپکتے شعلے
بس ایک ننھی سی میری خواہش پہ میرے مولا عذاب کیسا

وہ رنج میں نے سہے ہیں دل پر کہ سارے جذبات مر گئے ہیں
میں کیا بتاؤں صنم کہ تجھ کو یہ سنگ کیا ہے گلاب کیسا

اُلجھنوں سے نجات کیسے ہو
دل سے دل تک کی بات کیسے ہو

جب مقدر میں نارسائی ہے
تیرے ہاتوں میں ہات کیسے ہو

ساری دنیا سے جیت سکتا ہوں
تیری یادوں کو مات کیسے ہو

تو ہی جب اٹھ گیا ہے محفل سے
انجمن میری ذات کیسے ہو

تو نے ڈالی سے جس کو توڑ دیا
پھر ہرا اب وہ پات کیسے ہو

روشن چہرے روپ خزانے دیکھے تھے
ہم نے بھی تو خواب سہانے دیکھے تھے

وقت سے ہار کے کیسے اندھیروں میں ڈوبے
قبروں پر کچھ دیپ پرانے دیکھے تھے۔

جانے تیرے جانے پر کیوں بھر آئیں
ان آنکھوں نے کئی زمانے دیکھے تھے

کس نے سمجھا اپنے دل کی حالت کو
غم خوشیوں کے سبھی ترانے دیکھے تھے

مقتل میں جب چہروں سے الٹے پردے
سب قاتل جانے پہچانے دیکھے تھے

نگر کے سارے باسی ہی پتھر دل تھے
کانچ -بدن نے لاکھ بہانے دیکھے تھے

ٹوٹے سپنوں کو تم کیسے جوڑو گے
وقت کا دھارا تنہا کیسے موڑو گے

چھوڑ گئے جو تنہا تم کو ساتھی سب
ان کی یادوں کو تم کیسے چھوڑو گے

اشک نہ ہوں گے تو جم جائیں گی آہیں
شام کی خاموشی کو کیسے توڑو گے

لوگ تو دیوانہ کہہ کر سنگسار کریں
سارے شہر کے سر تم کیسے پھوڑو گے

خوشیوں کی پوشاک کی تجھ کو عادت ہے
غم سے چھلنی چادر کیسے اوڑھو گے

مرا درد میرا سوال ہے
ترا بھولنا بھی کمال ہے

ترے بعد ایسی ہے زندگی
نہ خوشی نہ کوئی ملال ہے

ہیں اٹل اصول زمین کے
کہ عروج کو ہی زوال ہے

فلسفہ کا شہر فقیہہ ہے
ملے مفت میں جو' حلال ہے

نہیں ختم ہوں گی صعوبتیں
مرے چارہ گر کا خیال ہے

جن کی تھی آرزو وہی پیارے نہیں ملے
مدت ہوئی ہے دوست ہمارے نہیں ملے

منجدھار سے گلہ ہے نہ کچھ ناخدا کا دوش
قسمت کی بات ہے کہ کنارے نہیں ملے

امبر سے توڑ لانے کی خواہش تھی کب ہمیں
ہم کو تمہاری مانگ کے تارے نہیں ملے

ملنے کی آرزو تو بہت تھی مگر اے دوست
قسمت کہ تجھ سے اپنے ستارے نہیں ملے

پنچھی نے جستجو تو بہت کی مگر کبھی
بچھڑے جو آندھیوں میں بچارے نہیں ملے

محرومیوں کے ساتھ ملیں ذلتیں تمام
کمزور کو جہاں میں سہارے نہیں ملے

قطعہ

جلتے ارمان کی چتا دیکھی
ہم نے بھی غم کی انتہا دیکھی
پھر وہ انداز تیرا غیروں سا
آج پھر زندگی سزا دیکھی

اشک آتے ہیں جب بھی آتے ہیں
نیند آنکھوں میں اب نہیں آتی

تن پر آفت پڑی ہے ساجن
من میں آگ بڑھی ہے ساجن

لپٹا ہوں شعلوں کے کفن میں
مشکل بہت گھڑی ہے ساجن

دشتِ دید میں ننگے پاؤں
سر پر دھوپ کڑی ہے ساجن

دنیا کے تپتے صحرا میں
ساون کی تو جھڑی ہے ساجن

آنکھوں میں ماضی کے منظر
اور اشکوں کی لڑی ہے ساجن

جو آگ دل میں لگی ہے اسے بجھا دوں گا
کیا ہے فیصلہ، اب میں تجھے بھلا دوں گا

نہ رہ سکوں گا میں زندہ بچھڑ کے تجھ سے کبھی
کہے ہزار کوئی جی کے میں بتا دوں گا

تو لاکھ دے گی صدائیں مگر نہ پلٹوں گا
نصابِ عشق کو اک ضابطہ بنا دوں گا

کروں گا میں سرِ نو دل کی بستیاں تعمیر
پرانے نقش ہیں جتنے سبھی مٹا دوں گا

میں خواب سمجھوں گا تیرے سبھی وہ قول و قرار
وہ تیرا ملنا فقط حادثہ بتا دوں گا

وہ تیرا دیوانہ شاعر
دنیا سے بیگانہ شاعر

راتوں کو تنہا سڑکوں پر
پھرتا ہے مستانہ شاعر

خوابوں کی پوجا کرتا ہے
یادوں کا پروانہ شاعر

اپنی باتوں سے لگتا ہے
زندہ ایک فسانہ شاعر

اس کا جیون غم کا میلہ
خوشیوں سے انجانا شاعر

جو کہتا ہے سچ کہتا ہے
اس کو کہے زمانہ شاعر

بَن کے بادل تو آ ،میں پیاسا ہوں
سُن لے میری صدا میں پیاسا ہوں

تو کہ تسکینِ جاں تھی میرے لیے
ہو کے تم سے جُدا میں پیاسا ہوں

کب سے میں پی رہا ہوں خونِ جگر
بھر دے مینا مرا ،میں پیاسا ہوں

تختہ دار ہی تو ہے دنیا
اور اس پر چڑھا 'میں پیاسا ہوں

خیمے سب جل چکے امیدوں کے
خاک پر ہوں کھڑا 'میں پیاسا ہوں

یہ کیا ہے محبت ' یہ کیا ہے جوانی
عجب داستاں ہے ' انوکھی کہانی

سبھی قصّے ان کے لگیں تازہ ہر دم
گو کہنے کو ہیں سب یہ باتیں پرانی

نئے نام لے کر زمیں پر یہ آئیں
کبھی مجنوں لیلیٰ کبھی رادھا رانی

انہی کے ہی دم سے ہے دنیا میں رونق
یہ پھولوں پہ شبنم 'یہ جھرنے کا پانی

ہیں ہستی کے ماتھے کا جھومر یہ جذبے
انہی کی بدولت ہے دنیا سہانی

ہوگیا جب سے وہ یار میرا جدا جی بہلتا نہیں
کوئی تدبیر تو ہی بتا اے خدا جی بہلتا نہیں

اس کے تن سے ہی تھی میرے من میں خوشی اس کے جانے کے بعد
اب کے تنہائیوں میں ہے ڈوبا ہوا جی بہلتا نہیں

اچھی لگتی نہیں اب تو آہٹ کوئی چھائی ہے خامشی
ساز ' آواز ' سنگیت سب بے صدا جی بہلتا نہیں

جب کبھی بھی میں ہنسنے کی کوشش کروں آنکھ بھر آئے ہے
زخم ایسا کوئی میرے دل پر لگا جی بہلتا نہیں

دشت و صحرا یا جنگل نہیں کوئی یہ ،جونگر کو چلیں
شہر کی بھیڑ میں ہوں اکیلا کھڑا جی بہلتا نہیں

شب کی تاریکیوں میں ستاروں تلے غم کی باتیں کرے
رنگ و خوشبو کے سب موسموں سے خفا جی بہلتا نہیں

اب تو تنہائیاں ہیں مقدر ترا اے مرے ہم نوا
ہو کے بے چین ہر پل یہی دے صدا جی بہلتا نہیں

قطعہ

اندھیاروں کی بستی چھوڑو، دل کہتا ہے
دنیا کے سب بندھن توڑو دل کہتا ہے
ہجر کے تپتے صحراؤں میں ننگے پاؤں
جسم پگھلنے تک بھی دوڑو دل کہتا ہے

عشق اپنا اصول ہے پیارے
باقی سب کچھ فضول ہے پیارے

کیا بتائیں تباہیوں کا سبب
ہم کو سب کچھ قبول ہے پیارے

سب کی آنکھوں میں یہ نمی کیسی
دل تو اپنا ملول ہے پیارے

تا قیامت رہے گا راج ان کا
تخت والوں کی بھول ہے پیارے

کم نظر ہم سفر نہیں اپنا
تنہا چلنا قبول ہے پیارے

مدت ہوئی ہے تجھ سے کوئی گفتگو نہیں
ایسا نہیں کہ دل میں کوئی آرزو نہیں

لمحے بنے ہیں سال کے شاید اسی لیے
راتیں ہیں سردیوں کی کہ تو روبرو نہیں

دنیا کی تہمتیں تو ہیں اپنی جگہ درست
ہم کیوں کریں سفر جو کوئی جستجو نہیں

ہاں خوئے بے وفائی تری سب درست ہے
تجھ سا کوئی حسین کوئی خوبرو نہیں

ڈھونڈے علاج جو کوئی درد و فراق کا
ایسا کوئی طبیب مرے چار سو نہیں

اے خوابوں کی ملکہ! خیالوں کی رانی
ہے تجھ بن ادھوری مری زندگانی

یہ لیلیٰ یہ رادھا بھی تجھ سے ہیں شاید
نیا نام ہے پر ہے صورت پرانی

پری ،حور ہے یا کوئی اپسرا سی
ہے بے مثل تو اور یہ تیری جوانی

ہے لہجہ ترا جیسے بجتی ہو پائل
ہیں باتیں تری جیسے کوئی کہانی

یہ مہکائے خوابوں 'خیالوں کو میرے
تری یاد کی گویا رُت ہے سہانی

جو کھولوں کتابیں تو لفظوں میں چہرے
ہر اِک چہرے میں پاؤں تیری نشانی

مجھے بتا تو سہی تو کہ سوگوار ہے کیوں
جو ہنستا رہتا تھا چہرہ وہ اشکبار ہے کیوں

تجھے جو غم ہے تو مجھ کو بھی کچھ بتا ہمدم
نہیں ہے زخم کوئی بھی تو بے قرار ہے کیوں

چلو یہ مان لیا ' بات کچھ نہیں لیکن
تمہارے مکھڑے پہ اشکوں کی آبشار ہے کیوں

نہیں ہے کوئی بھی دستک تمہارے در پہ مگر
تمہارا دیکھنا باہر یہ بار بار ہے کیوں

بڑا نہیں ہے جو گھاؤ کسی کی یادوں کا
تمہارے صبر کا دامن یوں تار تار ہے کیوں

نہیں اگر کوئی بچھڑا تو پھر بتا عامرؔ
غبارِ ہجر ترے رخ پہ آشکار ہے کیوں

سب کے جذبے سو گئے اس بے حسی کے دور میں
دل کی آہٹ دب گئی ہے موٹروں کے شور میں

نفسا نفسی چار سو ہے ہر کوئی ہے جنگ میں
تو بتا دیوانے جائیں اب بھلا کس اور میں

تنہا پنچھی کا نشیمن لُٹ نہ جائے اے خدا
ٹہنی نازک ہے شجر کی بارشیں ہیں زور میں

جس نگر کے قاتل و منصف مسیحا ایک ہوں
اس کا مستقبل ہے تاریکی کی گہری گور میں

جانے کب آئے گا ایسا رہنما اس دیس میں
باندھ دے جو سب دلوں کو بس وفا کی ڈور میں

جب سے دیوانے ترے نام سے منسوب ہوئے
یوں سمجھ لو کہ بھرے شہر میں معتوب ہوئے

ہم نے تجھ سے کیا اقرار وفا اے جاناں
ورنہ کیا جرم کیا تھا کہ جو مصلوب ہوئے

تیرا ہلکا سا تبسم ہی ہمیں مار گیا
ورنہ ہم اور کسی سے کہاں مرعوب ہوئے

ہم کو قیدی تو بنایا تھا تری زلفوں نے
ہم جو مجبور تھے اس دل سے تو مغلوب ہوئے

ہر ستم ہم نے سہا تیری خوشی کی خاطر
اپنی قسمت ہے کہ ہم تجھ کو نہ محبوب ہوئے

امبر سے توڑ لانے کی خواہش تھی کب ہمیں
ہم کو تمہاری مانگ کے تارے نہیں ملے